کو پوشیدہ رکھنا اور دوسروں کے خیالات پر خاموش ہو جانا نہیں بلکہ اپنے خیالات، عقائد اور نصب العین پر محکم یقین رکھتے ہوئے اور ان کے لیے کسی قسم کی بھی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے دوسروں کو ان کے خیالات اور افعال میں آزادی دینا اصل رواداری ہے۔''(۱)

جب ہم دوسروں کے خیالات کو معاشرتی سطح پر خوش آمدید کہیں گے تو اس طرح ہم دوسروں کے خیالات سے روشناس ہو سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی کوئی اچھی بات، افرادِ معاشرہ کے حق میں بہتر ہو یا وہ کوئی ایسا مشورہ دیں جس سے معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکے اس لیے ہمیں ہمیشہ رواداری کو رواج دینا چاہیے۔ جب ہر فرد انفرادی سطح پر رواداری کو رواج دے گا تو آہستہ آہستہ اجتماعی سطح پر بھی رواداری کا پیڑ قد آور ہو گا۔ اگر رواداری کی حوصلہ شکنی کی جائے تو معاشرے میں فرقہ پرستی، عدم برداشت، قتل و غارت اور دیگر اسی قسم کے منفی جذبات پروان چڑھیں گے جس سے معاشرہ نہ صرف مادی لحاظ سے کمزور ہو گا بلکہ روحانی اعتبار سے بھی تنزلی کا شکار ہو گا۔ عام طور پر کسی بھی معاشرے میں زیادہ تر اختلافات مذہب کی بنیاد پر فروغ پاتے ہیں جس سے غارت گری، فتنہ و فساد اور خون ریزی کا بازار گرم رہتا ہے۔ اس حوالے سے سید ابوالحسن برنی رقم طراز ہیں:

''اگر ہم تاریخ کے دوروں کی چھان بین کریں تو ہم دیکھیں گے کہ دین میں اختلاف کے باعث انسانی معاشرہ میں کبھی امن و امان برقرار نہیں رہا۔ کیوں کہ ہر گروہ اپنے سے مختلف عقیدہ رکھنے والے لوگوں پر غیض و غضب نکالنے سے نہیں تھکتا تھا۔''(۲)

اس کے برعکس دینِ اسلام اس بات کا درس دیتا ہے کہ جہاں تم اپنے عقائد و نظریات کو مقدم جانتے ہو وہاں دوسروں کے عقائد و نظریات کا بھی احترام کرو۔ اسلام جبر کا قائل نہیں ہے۔ اسلام مذہب کے نام پر قتل و غارت کی نفی کرتا ہے۔ اس حوالے سے ''سورۃ البقرۃ'' کی یہ آیت ملاحظہ ہو:

(۳)

(دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔)

اس آیت مبارکہ میں بھی ان منفی جذبات کی مذمت کی گئی ہے جو عدم برداشت کو فروغ دیتے ہیں۔ جب ہم کسی کے مذہبی عقائد کے حوالے سے تعصب کا اظہار کریں گے تو دوسرا بھی ہمارے مذہبی عقائد کے بارے میں اسی قسم کے خیالات رکھے گا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام نے واضح طور پر عدم برداشت کی بجائے رواداری کا علم بلند کیا ہے۔ اقبال نے اپنی تمام زندگی رواداری و احترامِ انسانیت کا درس دیا ہے۔ وہ رواداری کو معاشرتی استحکام کے لیے ایک اہم ستون گردانتے ہیں اور فتنہ و فساد،

غارت گری، خون ریزی اور اسی قسم کے دیگر منفی جذبات کی نفی کرتے ہیں۔ اس حوالے سے چند اہم محرکات کو احاطۂ تحریر میں لانا از حد ضروری ہے۔

فرقہ پرستی سے معاشرے میں فتنہ و فساد جنم لیتا ہے اور عدم برداشت کی فضا قائم ہوتی ہے۔ آج مسلمان اسلام کی حقیقی روح سے دور ہیں اور اسلامی شعار کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ فسادات کے مرتکب ہو رہے ہیں، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ آج ہم دنیا پر حکمرانی کرنے کی بجائے غلام بن چکے ہیں۔ اسلام فرقہ پرستی کی سخت مذمت کرتا ہے۔ ''سورۃ آل عمران'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۴)

(اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔)

یعنی اس آیت میں اسی بات کی تشریح و توضیح کی گئی ہے کہ اللہ کی رسی مراد قرآن پاک کو تھام لو، مسلمان بن جاؤ اور خود کو مختلف فرقوں میں تقسیم مت کرو لیکن آج ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم اپنے رب کے پیغام سے روگردانی کر رہے ہیں۔ ہمارا دین، رسول، کتاب اور قبلہ و کعبہ تو ایک ہے لیکن ہم بحیثیت مسلمان ایک نہیں ہیں۔ آج کہیں ذات پات کے تفاخر پر لڑائیں ہو رہی ہیں تو کہیں مذہبی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور لوگوں کو اسلامی روایات سے غافل کیا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''جوابِ شکوہ'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۵)

دورِ حاضر میں کچھ ایسے نام نہاد ملّا ہیں، جو لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے غافل کر رہے ہیں اور اپنے مفادات کے حصول کے لیے لوگوں میں افتراق و انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے اقبال اپنے مضمون ''قومی زندگی'' میں رقم طراز ہیں:

''مولوی صاحبان کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی شہر میں اتفاق سے دو جمع ہو جائیں تو حیاتِ مسیح یا آیاتِ ناسخ و منسوخ پر بحث کرنے لیے باہمی نامہ و پیام ہوتے ہیں اور اگر بحث چھڑ جائے اور بالعموم بحث چھڑ جاتی ہے تو ایسی جوتیوں میں دال بٹتی ہے کہ خدا کی پناہ، پرانا علم و فضل جو علمائے اسلام کا خاصہ تھا نام کو بھی نہیں۔''(۶)

فرقہ واریت کے حوالے سے اقبال اسی مضمون میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''آئے دن ایک نیا فرقہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو جنت کا وارث سمجھ کر باقی

نوعِ انسانی کو جہنم کا ایندھن قرار دیتا ہے۔''(۷)

اقبال نے اس عبارت میں جس معاشرتی خرابی کا ذکر کیا ہے وہ بہت ہی خطرناک ہے، جب ہم خود کو علمِ کل سمجھ کر دوسرے کے جذبات و احساسات اور مذہبی عقائد کی غیر اخلاقی انداز میں تردید کریں گے تو معاشرے میں فتنہ و فساد پروان چڑھے گا۔ اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''سیّد کی لوحِ تربت'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

وا نہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زباں
چھپ کے ہے بیٹھا ہوا ہنگامۂ محشر یہاں
وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے
دیکھ! کوئی دل نہ دُکھ جائے تری تقریر سے(۸)

ان اشعار میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ اپنی زبان و قلم کو فرقہ بندی کی حمایت میں مت اٹھاؤ اور لوگوں کے درمیان افتراق و انتشار پیدا مت کرو۔ اقبال فرقہ پرستی کے ساتھ ساتھ نسلی تعصب کی بھی نفی کرتے ہیں۔ بعض لوگ ذات برادری کے قائل ہوتے ہیں اور اپنی برادری کی ہر جائز و ناجائز معاملے میں حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ حالاں کہ اسلام ذات پات کے منفی تصور کے خلاف ہے۔ اسلام نے انسانوں کو قبائل میں اس لیے تقسیم کیا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ برادری کی بنیاد پر معاشرے میں بہت سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنی برادری کے افراد کو ووٹ دے کر کامیاب کرواتے ہیں اور اس طرح نااہل افراد اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر من مانی کرتے ہیں۔ آج بھی پولیس، عدلیہ اور اس طرح کے دیگر سرکاری و غیر سرکاری محکموں میں برادری کی بنیاد پر کچھ افراد تو خاطر خواہ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں جب کہ اکثریت اپنے حق سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس طرح معاشرے میں نئے نئے مسائل جنم لیتے ہیں۔ اسلام نسلی تفریق کی بجائے میرٹ پر فیصلہ کرنے کا حکم دیتا ہے تا کہ حق دار کو اس کا حق مل سکے۔ اقبال ذات پات اور طبقاتی تفاوت کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ''جوابِ شکوہ'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو(۹)

اقبال فرقہ واریت کے ساتھ ساتھ انتہا پسندی کے بھی خلاف ہیں۔ جس معاشرے میں افراد انتہا پسندی کا شکار ہوں وہاں امن و سکون ناپید ہو جاتا ہے۔ اسلام نے ہمیشہ کسی بھی طرح کی انتہا پسندی کی بجائے اعتدال کا درس دیا ہے۔ اگر ہم تمام معاملات ہائے زندگی میں انتہا پسندی کی بجائے اعتدال کا دامن تھامیں تو معاشرہ ترقی کر سکتا ہے۔ اقبال خواہاں ہیں کہ تمام معاملات ہائے حیات کو جنگ و جدل کی بجائے مفاہمت کے ساتھ طے کیا جائے کیوں کہ جنگ و جدل اور معرکہ آرائیاں معاشرے کی

بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اقبال نے ۱۲ دسمبر ۱۹۳۴ء کو ظفر احمد صدیقی کے نام ایک خط میں تحریر کیا، جس میں اقبال اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں:

''میں جنگ کا حامی نہیں ہوں، نہ کوئی مسلمان شریعت کی حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہوسکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ، پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے۔ دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے۔''(۱۰)

جب افرادِ معاشرہ پر ظلم و استبداد کی انتہا ہو جائے اور معاملہ مفاہمت و رواداری سے حل نہ ہو تب منفی قوتوں کے خلاف نعرۂ حق بلند کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال ہماری اولین کوشش یہ ہونی چاہیے کہ رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام معاملات حل کیے جائیں۔

اقبال رواداری کو معاشرے کے لیے ایک زریں قوت گردانتے ہیں۔ وہ اس نظریے کے قائل ہیں کہ اگر آپ اپنے خیالات و نظریات اور احساسات و جذبات کے حوالے سے آزاد ہیں تو دوسرے انسانوں کا بھی یہ ہی حق ہے، وہ بھی اسی قسم کی آزادی کے متقاضی ہیں۔ اس حوالے سے پروفیسر سعید احمد رفیق رقم طراز ہیں:

''ایک فرد اپنے عقائد، نظریات، خیالات پر عمل کرنے کے لیے آزاد ہو تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کو بھی یہ آزادی دے تا کہ وہ اپنے عقائد پر عمل پیرا ہوں۔ اگر آزادی اس کا حق ہے تو یہ حق اپنے ساتھ ایک فرض بھی لاتا ہے اور وہ فرض ہے دوسروں کی آزادی کا خیال رکھنا اور عزت کرنا اور یہی رواداری ہے۔''(۱۱)

اس حوالے سے ''بالِ جبریل'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

درویشِ خدا مست نہ شرقی ہے ، نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی ، نہ صفاہاں ، نہ سمرقند!
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں ، نہ تہذیب کا فرزند!
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں ، بیگانے بھی نا خوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند!(۱۲)

اقبال کہتے ہیں کہ آج مسلمان دینِ اسلام سے دور ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق سے دور ہو کر فتنہ و فساد کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے اسلاف کے سنہری اصولوں کو بالائے

طاق رکھ دیا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ آج مسلمان راکھ کے ڈھیر کی مانند ہے۔ اس حوالے سے ''بالِ جبریل'' کی نظم ''ساقی نامہ'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے(۱۳)

معاشرے کو فرقہ واریت وتعصب سے پاک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ افراد کی کردار سازی کی طرف توجہ دی جائے، اس طرح تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ''ضربِ کلیم'' کی نظم ''مستیٔ کردار'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
ملّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ وپے میں فقط مستیٔ کردار!(۱۴)

رواداری کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ کے درمیان اخوت و بھائی چارے کو رواج دیا جائے۔ جب افراد کے درمیان محبت وصلح جوئی پائی جائے گی تو ہی امن وسکون کا دور دورہ ہوگا۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو اخوت کے دھاگے میں پرو دیا ہے۔ اس حوالے سے ''سورۃ الحجرات'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۱۵)

(بات یہ ہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کروایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔)

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ افرادِ معاشرہ میں محبت واخوت کو پروان چڑھایا جائے اور کسی بھی قسم کے فتنے وفساد کی صورت میں صلح کو مقدم گردانا جائے۔ اقبال کے نزدیک تمام وسائل زندگی کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان اخوت و بھائی چارے کی فضا قائم کی جائے۔ مثال کے طور پر ایک محلہ میں چند افراد مالدار ہیں اور باقی افراد غریب ہیں، اگر ان تمام افراد کے درمیان اخوت و بھائی چارہ اور محبت ہو تو مالدار افراد اپنے غریب بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں، ان کو معاشی طور پر مستحکم کر سکتے ہیں۔ اس طرح غریب افراد بھی معاشرے میں باعزت زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''تصویرِ درد'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے

کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے(۱۶)

مرض کہتے ہیں سب اس کو، یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کہن بھی ہے(۱۷)

معاشرے میں اخوت و بھائی چارے کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ کے درمیان احترامِ انسانیت کا جذبہ پیدا ہو اور ہر فرد دوسرے فرد کو عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد ریاض رقم طراز ہیں:

''اقبال نے جس انداز سے انسانی عظمت و احترام کے راگ کو الاپا، وہ ان کی انفرادیت کا مظہر ہے اور ہر مسلک و مشرب کا شخص احترامِ انسانیت کے بارے میں اقبال کی لے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''(۱۸)

احترامِ انسانیت کے حوالے سے ''جاوید نامہ'' کی نظم ''خلافتِ آدم'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصلِ تہذیب احترامِ آدم است(۱۹)

اخوت و بھائی چارے کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے لیے ہمدردانہ جذبات رکھیں، ان کے کام آئیں، ان کے دکھوں کو اپنا دکھ سمجھیں اور ان کے آنسوؤں پر اپنی خوشیاں قربان کر دیں۔ بقول اقبال:

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا(۲۰)

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے(۲۱)

اخوت و بھائی چارے کا تعلق اخلاقی اقدار سے ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ احسن انداز میں گفتگو کرنی چاہیے اور بدزبانی کی نفی کرنی چاہیے۔ بدزبانی اخوت و بھائی چارے کی ضد ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر دوڑائیں تو بہت سارے مسائل اس بدزبانی کی مرہونِ منت نظر آئیں گے۔ تمام معاملاتِ ہائے زندگی میں بدزبانی افراد کے درمیان نفرت و نفاق کو فروغ دیتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اقبال بدزبانی کی مذمت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''التجائے مسافر'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے

کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجکو(۲۲)

اسلام نے ذات پات کی تفریق کی نفی کی ہے اور واضح طور پر یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ہاں اگر فضیلت حاصل ہے تو وہ اچھے اعمال اور بلند کردار کی وجہ سے ہے۔ اسلام نے انسان کو قبائل میں اس لیے تقسیم کیا ہے تا کہ انسانوں کی پہچان ہو سکے، لیکن افسوس صد افسوس آج لوگ نسلی تفریق کی بنیاد پر فخر کرتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک ذات پات کا تعصب اخوت و بھائی چارے کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔

اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''طلوعِ اسلام'' کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

یہی مقصودِ فطرت ہے ، یہی رمزِ مسلمانی
اخوّت کی جہانگیری ، محبت کی فراوانی!
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی ، نہ افغانی(۲۳)

آج ہمیں ذات پات کے تعصّبات کو مٹا کر ایک ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم سب مل کر اخوت و بھائی چارے کا مظاہرہ کریں تو کبھی دشمن سے شکست نہیں کھا سکیں گے، ہم کٹھن حالات میں بھی دشمن پر غالب آئیں گے۔ اس حوالے سے اقبال لکھتے ہیں:

یہ ہندی ، وہ خراسانی ، یہ افغانی ، وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا(۲۴)

دورِ حاضر میں اخوت و بھائی چارے سے دوری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آج ہمارے ذہن و قلب ہوس گیری کا شکار ہیں۔ ہم دوسروں کا حق ناجائز طریقوں سے کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پرانے جاگیردارانہ نظام کے تحت آج بھی غریبوں، بیواؤں اور مسکینوں کی زمین ہڑپ کی جاتی ہے۔ بھائی جائیداد پر قابض ہونے کے چکر میں بہنوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ دورِ حاضر میں انسان مال کے حصول کی خاطر سو طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔ اگر انسان دوسروں کا مال ہضم کرنے کی بجائے، جو کچھ خدا نے اسے دیا ہے، اس پر راضی رہے تو بہت سارے معاشرتی مسائل سے بچا جا سکتا ہے لیکن افسوس صد افسوس لالچ و ہوس گیری نے ہمارے معاشرے کو جکڑ لیا ہے۔ اس حوالے سے ''بانگِ درا'' کی نظم ''طلوعِ اسلام'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوّت کا بیاں ہو جا ، محبت کی زباں ہو جا(۲۵)

اقبال سفارش کرتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ کے درمیان محبت و خلوص کے چراغ روشن کیے جائیں کیوں کہ محبت ہی وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعے پتھر دل انسان بھی موم ہو جاتے ہیں اور اسی محبت

کی بدولت معاشرے میں ہوس و لالچ اور غارت گیری کے خلاف جہاد کیا جا سکتا ہے۔ بقول اقبال:

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے(۲۶)

آج مسلمان اخلاقی اقدار سے دور ہیں، اخلاق یعنی حسنِ سلوک وہ شے ہے جس سے معاشرہ میں اخوت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے اقبال اپنے مضمون ''محفلِ میلاد النبی ﷺ'' میں رقم طراز ہیں:

''افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں ہیں جن سے ہماری زندگی خوش گوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کر کے ایک دوسرے کے لیے باعثِ رحمت ہو جائیں۔''(۲۷)

اقبال کے نزدیک اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے علما کرام لوگوں کو حضور ﷺ کی زندگی کے اہم گوشوں سے متعارف کروائیں۔ بقول اقبال:

''علما کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تا کہ ہماری زندگی حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید سے خوش گوار ہو جائے اور اتباعِ سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔''(۲۸)

قصہ مختصر حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید و پیروی سے ہی معاشرے میں اخوت و بھائی چارے کو فروغ دیا جا سکتا ہے اور تمام معاشرتی مسائل بطریقِ احسن حل کیے جا سکتے ہیں۔

اقبال ہمیں وسیع النظری کا درس دیتے ہیں، انھوں نے مشرق و مغرب کے تقریباً تمام بڑے مفکرین کا مطالعہ کیا اور ان کے نظریات کو دینِ اسلام کی کسوٹی پر پرکھا، ان کی فکر کے جو پہلو اقبال کو پسند آتے اُن کی تعریف و ستائش کرتے اور جو پہلو اسلام کے منافی ہوتے ان کی تردید کرتے۔ ان مفکرین میں گوئٹے (Goethe)، نطشے (Nietzsche)، عمونویل کانٹ (Immanavel kant)، ہنری برگساں (Henry Bergson)، کارل مارکس (Karl Marx)، مسولینی (Benito Mussolini)، نپولین (Napoleon)، آرنلڈ (Arnold) اور ان کے علاوہ کئی دیگر مذہبی و غیر مذہبی اور علمی و ادبی شخصیات شامل ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ ہمیں دوسرے لوگوں کے خیالات و نظریات سے بھی واقفیت حاصل کرنی چاہیے کیوں کہ جب ہم تعصب اور جانبداری کے خول سے باہر آ کر دیگر شخصیات کے خیالات سے مستفید ہوتے ہیں تو نہ صرف ہمارے علمی سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ

ہمیں نئے نئے موضوعات کے بارے میں سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ فرض کریں، ہم کسی مفکر کے افکار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ممکن ہے کہ جس سطح پر وہ مفکر سوچ رہا ہے، ہم اس سے بہتر سوچیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو تحقیق اس مفکر نے کی ہے، ہم اس تحقیق میں مزید کوئی اور اضافہ کر سکیں۔ جب افرادِ معاشرہ وسیع النظری پر عمل پیرا ہوں گے تو نہ صرف ان کے علم و فضل میں اضافہ ہوگا بلکہ معاشرے کے تمام دیگر شعبہ جات ترقی سے ہمکنار ہوں گے۔ اس حوالے سے اقبال کے ہاں بہت سی اہم شخصیات کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں چند ایک کا جائزہ زیرِ یں سطور میں لیا گیا ہے۔

مغربی تہذیب کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ فرق واضح طور پر نظر آئے گا کہ مغربی تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہے اور دوسری طرف مشرقی تہذیب کی بنیاد روحانیت پر ہے۔ آج مغرب نے جدید علوم میں تو بہت زیادہ ترقی کر لی ہے لیکن اس ترقی کی رو میں بہتے بہتے اخلاقی اقدار سے بہت زیادہ دور ہو گیا ہے۔ گوئٹے اس مادیت سے بیزار تھا، اس نے مادیت کے بجائے روحانیت کی حمایت کی اور گوئٹے کا ''مغربی دیوان'' اسی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ مغرب میں مادہ پرستی کے تجاوز نے لوگوں کے دل مردہ کر دیئے، ان میں انسانیت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی اور اسی فکر کا پرچار گوئٹے نے کیا ہے۔ اقبال گوئٹے کی اس فکر کی ستائش کرتے ہیں اور گوئٹے کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ اس حوالے سے اقبال ''پیامِ مشرق'' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

> ''پیامِ مشرق کی تصنیف کا محرک جرمن ''حکیم حیات'' گوئٹے کا ''مغربی دیوان'' ہے جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا کہتا ہی: یہ ایک گلدستہ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔۔۔ اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے۔''(۲۹)

اقبال گوئٹے کی اس نگاہِ بصیرت کو سلام پیش کرتے ہیں، جس نے اسے اچھے اور برے میں فرق سمجھایا۔ بقول اقبال:

صبا بہ گلشنِ وِیمر سلامِ ما برساں
کہ چشمِ نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت(۳۰)

آرنلڈ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر آف فلاسفی تھے اور اقبال کو ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ جب اقبال کی پروفیسر آرنلڈ سے ملاقات ہوئی تو انھیں اپنے استاد کے ساتھ والہانہ وابستگی ہو گئی۔ آرنلڈ بھی اقبال کو ایک غیر معمولی شاگرد تصور کرتے تھے اور ان پر خاص توجہ دیتے تھے۔ اقبال کا فلسفہ سے گہرا لگاؤ تھا، اس حوالے سے سر عبدالقادر ''بانگِ درا'' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

> ''انھیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا اور انھیں لاہور کے اساتذہ میں ایک نہایت

شفیق استاد ملا جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انھیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ ۔۔۔علمی جستجو اور تلاش کے طریقِ جدید سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرزِ عمل سے حصہ دیں اور وہ اس ارادہ میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔''(۳۱)

اقبال کی طبیعت فلسفہ کی طرف مائل تھی، ان کے باطن میں علم کی جو چنگاری جل رہی تھی اسے پروفیسر آرنلڈ نے مزید ہوا دی۔ آرنلڈ ایک غیر مسلم جب کہ اقبال مسلم تھے۔ اقبال کے گھر کا ماحول صوفیانہ تھا، ان کے والدین اسلامی شعار کے پابند تھے جب کہ پروفیسر آرنلڈ کا شریعت اسلامی سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔ اگرچہ اقبال اور پروفیسر آرنلڈ کے مذہبی عقائد میں خاطر خواہ فرق تھا لیکن پھر بھی اقبال نے وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے پروفیسر آرنلڈ سے فلسفہ میں دسترس حاصل کی۔ جب پروفیسر آرنلڈ ۱۹۰۴ء میں ہندوستان کو خیر آباد کہہ کر انگلستان روانہ ہو گئے تو اقبال بہت غم ناک ہوئے۔ اقبال کو آرنلڈ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت تھی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس شفیق استاد کی جدائی پر اقبال نے نظم ''نالۂ فراق'' تحریر کی۔ اقبال آرنلڈ کی رخصتی سے ان کی فیض رساں محبت و رہنمائی سے محروم ہو گئے۔ بقول اقبال:

ذرّہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئنہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا!(۳۲)

پروفیسر آرنلڈ کی بھی یہ خواہش تھی کہ اقبال انگلستان آ جائیں لیکن خراب مالی حالات اور کچھ گھریلو مجبوریوں نے انھیں محصور کر رکھا تھا۔ بقول اقبال:

کھول دے گا دستِ وحشت عقدۂ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو(۳۳)

اس شعر میں اقبال کے دل کا درد ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ انھیں اپنے استاد سے کس قدر محبت والفت تھی، بہر حال اگلے سال اقبال انگلستان پہنچ گئے۔ انگلستان میں بوجہ تعلیمی مصروفیات انھیں شاعری کے لیے نسبتاً کم وقت ملتا تھا اور اُن کے دل میں شاعری ترک کرنے کا ارادہ بھی پنپنے لگا۔ اس حوالے سے سر عبدالقادر ''بانگِ درا'' کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں:

''ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان

کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے، جسے ترک کرنا چاہیے۔۔۔اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادۂ ترکِ شعر کو بدل دیں گے اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں تو ترکِ شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں وہ اُن کے لیے بھی مفید ہے اور ان کے ملک وقوم کے لیے بھی مفید ہے۔''(۳۴)

اس اقتباس کو پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر آرنلڈ اقبال کو ترکِ شعر کا مشورہ دے دیتے تو اقبال کبھی اقبال نہ بن سکتے۔ اقبال نے وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے پروفیسر آرنلڈ کی رائے کی تائید کی اور شعری شغل جاری رکھا۔

اقبال ایک وسیع النظر انسان تھے۔ وہ ہر مذہب کے مذہبی پیشواؤں کا احترام کرتے تھے۔ جب انھوں نے آنکھ کھولی تو ہندوستان میں ہندوؤں نے بت پرستی کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ یہ لوگ پتھر کے بتوں کو خدا کی طرح پوجتے اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتے۔ اس جدید دور میں، جب کہ انسان مظاہرِ فطرت کو مسخر کر چکا تھا، ہندو پتھر کے بتوں کو اپنا محافظ تصور کرتے تھے۔ اس تاریک دور میں ایک مردِ کامل پیدا ہوا، جس نے ان بتوں کی حقیقت کو بے بنیاد گردانتے ہوئے توحید کی شمع روشن کی۔ گورونانک سکھ مذہب کے پیشوا تھے، وہ بت پرستی کے قائل نہ تھے اور واحدانیت پر یقین رکھتے تھے۔ اسی لیے اقبال نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا۔ اقبال کے نزدیک واحدانیت و یکتائی زندگی کا راز ہے کیوں کہ جب انسان واحدانیت و یکتائی کا قائل ہوتا ہے تو اس کی سوچ کا محور نظریۂ توحید کی طرف مائل ہوتا ہے لیکن یہ بدبخت ہندو اس درویش کی حکایات سے روشناس نہ ہو سکے۔ اس حوالے سے اقبال ''بانگِ درا'' کی نظم ''نانک'' میں لکھتے ہیں:

آشکار اس نے کیا جو زندگی کا راز تھا
ہند کو لیکن خیالی فلسفہ پر ناز تھا
شمعِ حق سے جو منوّر ہو یہ وہ محفل نہ تھی
بارشِ رحمت ہوئی ، لیکن زمیں قابل نہ تھی(۳۵)

اقبال کہتے یں کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ میں بتوں کو پاش پاش کیا اور لوگوں کو اللہ کی واحدانیت کی طرف راغب کیا، بالکل اسی طرح گورونانک نے بھی ہندوستان میں نعرۂ حق بلند کیا۔ اس حوالے سے اقبال لکھتے ہیں:

بت کدہ پھر بعد مدت کے مگر روشن ہوا

نورِ ابراہیمؑ سے آزر کا گھر روشن ہوا

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے!(۳۶)

ان اشعار میں بھی اقبال گورونانک کی توحید فہمی کا اعتراف کرتے ہیں اور پراُمید ہیں کہ شاید اہلِ ہند بھی ان کی فہم وفراست سے استفادہ کر سکیں۔ اقبال نے زندگی بھر تعصب، ذات پات، عدم برادشت کی نفی کی اور رواداری و وسیع النظری کو فروغ دیا۔ وہ ہر مسلک و مذہب کے افراد کی قدر کرتے اور اگر کوئی اچھی بات نظر آتی تو اس کی تعریف و تحسین کرتے۔ اقبال سر کشن پرشاد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''لاہور میں کچھ عرصہ سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی۔ معلوم نہیں کبھی حیدرآباد میں بھی ان کا گزرا ہوا یا نہیں۔ عالم متجّر ہیں۔ مذہباً شیعہ ہیں۔ مگر مطالبِ قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ علمِ جفر میں کمال رکھتے ہیں کبھی کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں۔''(۳۷)

اقبال نے جن عالم صاحب کی تعریف کی ہے، وہ مذہباً شیعہ ہیں لیکن قرآن پاک کے مفاہیم ومطالب بیان کرنے میں دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی اسی خوبی کی وجہ سے اقبال ان سے ملاقات رکھتے تھے لیکن دورِ حاضر میں ہم اس قدر متعصب اور مسلک پرست ہو چکے ہیں کہ ہر فرد صرف اپنے مسلک کے علما کی بات سنتا ہے اور کسی دوسرے مسلک کے علما کی طرف کان نہیں دھرتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی خود کو سنی سمجھتا ہے تو وہ فقط سنی عالم کی بات پر توجہ دیتا ہے اور اگر کوئی شیعہ ہے تو وہ فقط شیعہ عالم کی بات سنتا ہے۔ فرقہ پرستی کے شکار ان لوگوں میں تنگ نظری پائی جاتی ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصل روح مفقود نظر آتی ہے۔ دورِ حاضر میں اگر ہم وسیع النظری سے کام لیں تو علم وفضل کے ہر میدان میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم تعصب، ذات پات، عدم برداشت، اور عدم رواداری کے خول سے باہر آ کر وسیع النظری کو خوش آمدید کہیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر گوشے پر اپنی رائے کا اظہار کیا اور انسانیت کی اصلاح و تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ اسلام قدامت پسندی کا قائل نہیں بلکہ جدت سے مزین ہے اور یہ ہی جدت، اسلام کے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی دلیل ہے۔ دورِ حاضر کے جدید مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے علما کرام اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جدید مسائل اخذ کریں لیکن اکثر اوقات ہمارے علما ایسا کرنے سے عاری نظر آتے ہیں اسی لیے

بعض لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے اسلام پر قدامت پسند ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور اسی قسم کے نظریات نے اسلام کی اصل روح مسخ کر دی ہے۔ ایسے افراد کے حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

''ان کی خلش یہ تھی کہ اسلامی عقیدوں پر رائے دینے والے محترم حضرات ان باتوں کو معمولی یا نا قابلِ توجہ کہہ کر ان سے سرسری گذر جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اکثر یہ نکلتا رہا اور نکل رہا ہے کہ زمانے کی مجبوری اور وقت کی ضرورتوں کے جبر کی وجہ سے اکثر لوگ ''جدیدیت'' کے بارے میں اسلام کی رائے سننے یا اس کا انتظار کیے بغیر، مغربی طریقوں، اصولوں یا رسموں کو چھپ چھپائے اختیار کر لیتے ہیں اور معاشرے کی بنیادیں روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔''(۳۸)

اقبال کے نزدیک اسلام سکون و ثبات کا نہیں بلکہ حرکت و حرارت کا پیغام دیتا ہے اور یہ ہی اسلامی حوالے سے تصورِ اجتہاد کی بنیادی روح ہے۔ اقبال رقم طراز ہیں:

"What then is the principle of movement in the structure of Islam? This is known as Ijtihad. The word literally means to exert .In the terminology of Islamic Law it means to exert with a view to form an independent judgement on a legal question"(39)

بقول اقبال:

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی(۴۰)

اسی قسم کے خیالات کا اظہار ''ضربِ کلیم'' کی نظم ''تخلیق'' میں ملتا ہے:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا!
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا!(۴۱)

جہانِ تازہ کی نمو اسی وقت ممکن ہوگی، جب ہم تقلید کو چھوڑ کر اجتہادی فکر کو پروان چڑھائیں، تخلیق کی طرف راغب ہوں، قدیم استدلالات کی پیروی کرنے کی بجائے اسلام کو جدید مسائل سے ہم آہنگ کریں، قرآن و حدیث کے مجموعی مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید مسائل حل کریں اور وسیع

النظری کا ثبوت دیں۔ اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد آصف اعوان رقم طراز ہیں:

''اقبال کے نزدیک اجتہاد فکری ونظری کوشش اور جدوجہد کرنے سے عبارت ہے۔ اگر کسی خاص مسئلے کے بارے میں قرآن وحدیث سے رہنمائی دستیاب نہ ہو تو قرآن وحدیث کے مجموعی مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی راہِ عمل اختیار کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔''(۴۲)

اسلام انسان کو کوشش وجدوجہد کی طرف راغب کرتا ہے اور جب انسان کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے راستہ دکھاتا ہے۔ بقول اقبال:

"The idea, I believe, has its origin in a well-known verse of the Quran 'And to those who exert We show Our path."(43)

''سورۃ العنکبوت'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(۴۴)

''اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (اور مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں۔''

دورِ حاضر میں اگر ہم اسلام کو جدید مسائل سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں تو فقط دورِ قدیم کی اجتہادی فکر کی تقلید سے گزارہ نہیں ہوگا بلکہ ہمیں ان جدید مسائل کا منطقی حل کرتے ہوئے اسلام کی جدت وتازگی کو برقرار رکھنا ہوگا۔

مذکورہ بالا تصریحات میں فکر اقبال کی روشنی میں معاشرتی سطح پر رواداری کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے تاکہ اِنتہا پسندی، فتنہ وفساد، قتل وغارت اور خون ریزی کی نفی کرتے ہوئے اخوت ومفاہمت کو فروغ دیا جائے، احترامِ آدمیت اور قوتِ برداشت کے مثبت رویے کا پرچار کیا جائے، ایک مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب ومسالک کے افراد سے رواداری قائم کی جائے اور ان کے نظریات و خیالات کو منطقی انداز میں قبول یا رد کیا جائے۔ اگر آج ہم حقیقی معنوں میں رواداری کو خوش آمدید کہیں تو نہ صرف ہمارے تمام معاشرتی مسائل حل ہوں گے بلکہ ہم ترقی وکامرانی سے بھی ہمکنار ہوسکیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ سعید احمد رفیق، پروفیسر، اقبال کا نظریۂ اخلاق، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۰ئ، ص: ۴۷

۲۔ غفیف عبدالفتاح، طبارہ، روحِ اسلام، مترجم: سید ابوالحسن برنی، کراچی: مکتبہ الھدیٰ، سن ن، ص: ۶۷۷

۳۔ البقرۃ: ۲۵۶

۴۔ آل عمران: ۱۰۳

۵۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ئ، ص:۲۰۲

۶۔ محمد اقبال، قومی زندگی، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سید عبدالواحد معینی، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ئ، ص:۸۸

۷۔ ایضاً، ص:۸۷

۸۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۵۲

۹۔ ایضاً، ص:۲۰۳

۱۰۔ بشیر احمد ڈار، مرتبہ: انوارِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ئ، ص:۲۱۹

۱۱۔ ایضاً، ص:۷۶

۱۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۳۱۳

۱۳۔ ایضاً، ص:۴۱۶

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۰۱

۱۵۔ الحجرات:۱۰

۱۶۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۷۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۷۶

۱۸۔ محمد ریاض، ڈاکٹر، اقبال اور احترامِ انسانیت، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۲۰۱۰ئ، ص:۹

۱۹۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: شیخ غلام علی سنز، ۱۹۷۳ئ، ص:۶۵۷

۲۰۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۳۴

۲۱۔ ایضاً، ص:۳۵

۲۲۔ ایضاً، ص:۹۶

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۷۰

۲۴۔ ایضاً، ص:۲۷۳

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً، ص:۷۴

۲۷۔ محمد اقبال، محفلِ عید میلاد النبی ﷺ، مشمولہ: مقالاتِ اقبال، مرتبہ: سید عبدالواحد معینی، لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۱ئ، ص:۲۳۹

۲۸۔ ایضاً

۲۹۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ص:۱۷۷

۳۰۔ ایضاً، ص:۳۲۵

۳۱۔ محمد اقبال، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ئ، ص:۱۱

۳۲۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۷۷

۳۳۔ ایضاً، ص۷۸

۳۴۔ محمد اقبال، بانگِ درا، ص:۱۵

۳۵۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۲۳۹

۳۶۔ ایضاً، ص:۲۴۰

۳۷۔ عطااللہ، شیخ، مرتبہ: اقبال نامہ، حصہ اول، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۵ئ، ص:۴۶۴

۳۸۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، اعجازِ اقبال، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ئ، ص:۴۰۵

39. Muhammad Iqbal, The Reconstruction Of Religious Thought In Islam, Lahore: Iqbal Academy, 1989, P-117

۴۰۔ محمد اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ص:۱۱۹

۴۱۔ ایضاً، ص:۵۶۲

۴۲۔ محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، معارفِ خطباتِ اقبال، لاہور: نشریات، ۲۰۱۴ئ، ص:۱۹۱

43. Muhammad Iqbal, The Reconstruction Of Religious Thought In Islam, Lahore: Iqbal Academy, 1989, P-117

۴۴۔ العنکبوت:۶۹

☆------☆------☆